جاہلی معاشرے کا قرآنی معاشرے کی طرف ارتقاء سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تناظر میں

محمد حسنین امام[1]

خلاصہ

بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہم ترین ہدف ایک گمراہ اور بے دین معاشرے کو دین مبین اسلام کے سانچے میں ڈھالنا تھا۔ ایک ایسا سماج جو غیر متمدن اور فرہنگی اصولوں سے کوسوں دور تھا، جس میں سماجی اقدار اور اخلاقی اصول و ضوابط نہ ہونے کے برابر تھے۔ برائیوں کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو نیکیوں اور اچھائیوں کی تمیز کرنے والے روشن اصولوں کی طرف راہنمائی کرنے میں آپ کی عملی سیرت کا موثر کردار نظر آتا ہے جس کی تربیت آپ نے بارگاہ ایزدی سے حاصل کی تھی۔

صحرائے عرب کے ریگستانوں میں زندگی بسر کرنے والے غیر مہذب اور جاہل لوگوں کے مابین آپ کے وجود کی برکات سے ایک بہترین تہذیب اور اسلامی ثقافت پروان چڑھی۔ تئیس سال کے کم عرصے میں اس عظیم فکری انقلاب نے لوگوں کے رہن سہن اور طرز زندگی کو اس قدر تبدیل کر دیا کہ گزشتگان و آئندگان کے لیے یہ معاشرہ ایک مثالی نمونہ کی صورت پیش کرنے لگا۔ ہم اس مقالہ میں یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ کیسے ایک جاہلی معاشرہ ایک قرآنی معاشرے میں تبدیل ہوا۔

کلیدی الفاظ: سیرت نبویؐ، جاہلیت، اسلام، معاشرہ، ارتقا، مثالی نمونہ

معاشرہ

انسان فطری طور پر اکیلا زندگی بسر نہیں کر سکتا بلکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے لوگوں کے ساتھ میل جول اور مختلف گروہوں کے ساتھ روابط پیدا کرتا ہے۔ ان گروہوں کے آپس میں ملنے

[1] جامعۃ الکوثر اسلام آباد.

سے ایک معاشرہ تشکیل پاتا ہے ماہرین عمرانیات اس کے لیے مجتمع، اجتماع، جامعہ یا سماج کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔[1]

معاشرہ، عشر سے ماخوذ ہے یعنی کسی کے ارد گرد رہنے والے رشتے دار واقرباء وغیرہ جن میں رہ رہا ہوتا ہے معاشرہ کہلاتا ہے۔[2] معاشرہ باب مفاعلہ کے وزن پہ ہے اس باب کی خصوصیت یہ ہے کہ دو افراد کا ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے کو بیان کرتا ہے جیسے قبض سے تقابض ہے تجارت میں یہ عموما استعمال ہوتا ہے یعنی بیچنے والے اور خریدار کا ایک دوسرے کو چیز قبضے میں دینا۔ لوگ نظام حیات بہتر گزارنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور اور ایک دوسرے کی ضروریات کا سامان مہیا کرتے ہیں اسی مناسبت سے اسے معاشرہ کہا جاتا ہے یہ لفظ قرآن مجید میں بھی مشتقات کے ساتھ استعمال ہوا ہے جن میں سے چند ایک نمونے درج ذیل ہیں:

وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ

تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری[3]

اس آیہ مجیدہ کے ذیل میں علامہ راغب اصفہانی رقمطراز ہیں:

فصار العشيرة اسما لكل جماعة من اقارب الرجل الذين يتكثر بهم و عاشرته

کوئی شخص جن لوگوں کے ساتھ زندگی گذار رہا ہوتا ہے ان افراد کی وہ قلیل جماعت اس کا معاشرہ کہلاتی ہے۔[4]

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ

اوران کے ساتھ اچھے انداز میں زندگی بسر کرو۔[5]

---

[1] عمرانیات A.I.O.U II ص١١

[2] لسان العرب ج٩ ص٢٢٠

[3] توبہ ٢٤

[4] مفردات راغب ص٥٦٧

[5] النساء ١٩

اس کے ضمن میں بھی علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں العشیر یعنی معاشرہ ہے[1]۔ آیہ مجیدہ میں عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہنے کا حکم دیا ہے کہ انہیں بھی اس معاشرے کا ایک فرد تصور کریں اور ان کی آسائش وضروریات کا خیال رکھیں کہیں غصے یا نادانی اور تعصب میں ان کے حقوق کی پامالی نہ ہو جس سے معاشرتی طور پر بگاڑ پیدا ہو جائے۔

پس معاشرے کی تمام تر تعریفوں کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان جس جگہ یا جس ماحول میں زندگی گزار رہا ہوتا ہے وہاں کے ارد گرد کے لوگوں کی ثقافت، طرز حیات، فرہنگ طور طریقے وغیرہ یہ سب معاشرے میں اہم کرادر ادا کر رہے ہوتے ہیں انہی عوامل کی وجہ سے معاشرہ اپنے ارتقاء کی منازل طے کرتا ہے یا پھر تنزلی کا شکار ہو جاتا ہے۔

جاہلی معاشرے کا قرآنی تصور اور اس کی خصوصیات:

اسلام سے قبل کے زمانے کو دور جاہلیت کہا گیا ہے اور یہ معاشرہ جاہلی معاشرہ تھا۔ قرآن مجید میں اس کے حالات مختلف مقامات پر ذکر ہوا ہے جن سے سے چار مقام درج ذیل ہیں:

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ

کیا یہ لوگ جاہلیت کے دستور کے خواہاں ہیں؟ اہل یقین کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟

یہودیوں کے قبائل آپس میں عجیب امتیازات رکھتے تھے مثلا بنو قریظہ کا کوئی فرد بنو نضیر کے بندے کو قتل کرتا تو اس سے قصاص لیا جاتا مگر بنو نضیر کا کوئی شخص بنو قریظہ کا بندہ مار دیتا تو وہ قصاص کی بجائے دو گنا خون بہا ادا کرتے۔ اس طرح کے معاملات میں الجھے ہوئے یہودی علماء نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی کہ آپؐ ہمارے حق میں ایک فیصلہ دے دیں یعنی ہمارے حق میں قصاص ساقط کر کے خون بہا ادا کرنے کا فیصلہ سنا دیں تو ہم اپنے قبیلے سمیت اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہیں تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نافقط یہودیوں کی اس بات کو ناپسند کیا بلکہ آیہ

[1] مفردات راغب ص۵۶۷

مجیدہ میں اس ناانصافی اور جبر و ستم کو، دستور اسلام کے مقابل میں جاہلیت کا منشور قرار دیا۔[1] ارشاد باری ہوتا ہے:

يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ

وہ ناحق اللہ پر زمانہ جاہلیت والی بدگمانیاں کررہے تھے۔[2]

جنگ احد کے بعد کمزور ایمان والے لوگوں نے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کہا، کیا پیغمبر اسلام کے وعدے غلط تو نہیں تھے۔ [3]

ان کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی کہ کیا یہ لوگ خدا کے بارے میں زمانہ جاہلیت والا غلط گمان کررہے ہیں۔ پس اس آیہ شریفہ میں غلط اور ظنی اعتقاد کو بھی جاہلیت کے کاموں سے تعبیر کیا ہے اور اسے جاہلی سماج کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ قرار دیا ہے کہ اس معاشرے میں فقط انسان تو کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی طرح طرح بدگمانیاں پیدا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے انسانوں میں بد گمانی اور سوء تفہم جیسی برائیاں جنم لیتی ہیں۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ

جب کفار نے اپنے دلوں میں تعصب رکھا تعصب بھی جاہلیت کا۔[4]

6 ہجری میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حج و عمرہ کی بجاآوری کے لیے رخت سفر باندھا تو ابھی مکہ نہ پہنچے تھے کہ مشرکین نے حدیبیہ کے مقام پر راستہ روک لیا اور اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے والوں اور انہیں قتل کرنے والوں کو خانہ خدا میں داخل ہونے سے روک دیا درحالانکہ خانہ کعبہ میں عبادات کی بجاآوری کے لیے کسی کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ اس آیت پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو یہاں دو قسم کی تہذیبیں سامنے آتی ہیں ایک جاہلیت کی تہذیب جس کی بنیاد ضد، ہٹ دھرمی اور شدید تعصب پر ہے جبکہ دوسری طرف سے اسلامی تمدن کا پتہ چلتا ہے جو وقار، سکون اور اطمینان پر مشتمل ہے۔

---

[1] تفسیر نمونہ ج ۴ ص ۳۰۶

[2] آل عمران، ۱۵۴

[3] تفسیر نمونہ ج ۴، ص ۲۷۸

[4] الفتح، ۲۶

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ

اور اپنے گھروں میں جم کر بیٹھی رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے آپ کو نمایاں کرتی نہ پھرو۔[1]

اس آیت مجیدہ میں قدیم جاہلیت سے کیا مراد ہے؟اس کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف رائے موجود ہے مگر مشہور و معروف قول یہی ہے کہ اسلام سے پہلے والے زمانے کو ہی قدیم جاہلیت کہا جاتا ہے۔[2]

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ قرآن نے عورت کی حیثیت کو کس لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے کہ خود کو قبل از اسلام کی طرح نمایاں نہ کریں بلکہ خود کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا کر رکھیں۔ یعنی اس جاہلی معاشرے میں عورت میں عام رواج تھا کہ پردہ نہیں کرتیں تھیں بلکہ کھلے عام بازاروں اور دوسری جگہوں پر مردوں کے ساتھ پھرتی تھیں جبکہ اسلام نے خاتون کو عزت دی اور اس کی ہتک عزت کو مسترد کیا۔

اسلامی معاشرہ اور اس کی خصوصیات

بعثت کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس معاشرے کی بنیاد توحید پر رکھی اور تئیس سال کے قلیل عرصے میں اس کو اوج کمال تک لے گئے یہ اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے۔اسلام سے پہلے معاشرے کی حالت انتہائی دگرگوں تھیں لوگوں میں جہاں چند ایک خوبیاں پائی جاتی تھیں وہاں برائیوں کا پھیلاو عام تھا۔لوگ لوٹ مار، بے رحمی، ناحق مال مال کھانا، بے امنی، خوف اور اس طرح کے سماجی مسائل سے دوچار تھے مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بنیاد امن و آشتی، بھائی چارگی اور پیار و محبت پر رکھی۔اسلامی معاشرے کی خصوصیات آیہ مجیدہ میں یوں بیان ہوئی ہیں:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

[1] احزاب، ۳۳

[2] تفسیر نمونہ ج۹ ص ۶۳۵

اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں ایک دوسرے کے بہی خواہ ہیں، وہ نیک کاموں کی ترغیب دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ رحم فرمائے گا، بے شک اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔[1]

آیت مجیدہ میں نظریہ امت بیان کیا گیا ہے کہ ایک امت اسلامی کی تمام اکائیاں ایک دوسرے کی خیر خواہ ہوتی ہیں ہمیشہ دوسروں کا بھلا سوچتے ہیں اور انہیں اچھی باتوں کی نصیحت ترک کرتے اور نماز کو قائم کرتے ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے اقامہ نماز کا ذکر کیا ہے نماز پڑھنے یا ادا کرنے کا ذکر نہیں ہے کیونکہ نماز ادا کرنا انسان کی انفرادی ذمہ داری ہے جبکہ اقامہ نماز انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی اور معاشرتی ذمہ داری ہے کیونکہ قرآن میں مختلف جگہوں پر جہاں لفظ اقامہ اپنے مشتقات اقیموا یا یقیموا وغیرہ کے ساتھ ذکر ہوا ہے وہاں معاشرتی ذمہ داریاں مراد ہیں جیسے ارشاد ہوتا ہے:

اقیموا الوزن یا اقیموا الدین ہے۔

ناپ تول پورا کرنا اور انصاف کے ساتھ تولنا یا دین کو قائم کرنا یعنی دینی احکام کو معاشرے میں لاگو کرنا ہیں چاہے وہ سیاسی ہوں یا عبادتی واخلاقی ہوں۔ اسی طرح عدل وانصاف قائم کرنے کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا تعلق معاشرے اور اجتماع سے ہے تاکہ لوگوں کے درمیان طبقاتی فرق پیدا نہ ہوں تمام لوگ ایک دوسرے کو عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھیں خداوند عالم کے دیے ہوئے احکامات کے مطابق زندگی بسر کریں۔

پس خداوند عالم نے جو دستور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا اسے معاشرے میں عملی طور پر نافذ کرنے اور ان اصولوں پر سماج کو استوار کرنے کے نتیجے میں جو معاشرہ تشکیل پاتا ہے اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے جس میں بھائی چارے کا درس، مزاج میں عاجزی وانکساری، مرد و زن کے حقوق، اخلاقی اقدار کا پاس، عدل وانصاف کا قیام، لوگوں کو امن وامان کی فراہمی، افراد کی تعلیم وتربیت، ان کے اقتصادی مشکلات کا حل، اور جاہلی رسومات کا خاتمہ شامل ہوتا ہے۔ یہ اسلامی معاشرہ حضور اکرم

[1] توبہ ۷۱

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں کامل شرائط اور خصوصیات کے ساتھ اپنے اوج کمال تک پہنچا۔ آپؐ نے کیسے لوگوں میں اسلامی تعلیمات کا نفاذ کیا؟ ان تمام وجوہات اور شرائط و خصوصیات کو اس مختصر مقالے میں بیان نہیں کیا جاسکتا لہذا ان میں سے چند ایک امتیازات کو سپرد قلم کریں گے جن کی بنیاد پر جاہلیت میں ڈوبے سماج نے روشنی کی طرف سفر کیا۔

اخلاقی اقدار و اصول

اخلاق حسنہ کی اہمیت کا اندازہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان مبارک سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

میں اخلاق حمیدہ کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔[1]

انسان چونکہ مدنی الطبع ہے اپنے نظام حیات کی گتھی دوسروں کے تعاون سے سلجھاتا ہے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے لوگوں کے ساتھ میل جول اور گفتگو کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ مراسم اور طرز گفتار ہی معاشرتی اصولوں کو جنم دیتے ہیں اگر انسان تعلقات کو بہتر طریقے سے نبھائے اور گفتگو میں شائستگی کا انداز اپنا لے تو اس کے نتیجے میں اخلاق کی اعلیٰ اقدار معاشرے میں عام ہوں گی لیکن اس کے برعکس اگر کردار و گفتار میں دوسروں کی عزت و ناموس، فائدہ اور نقصان وغیرہ کا لحاظ نہ رکھا جائے تو معاشرہ آہستہ آہستہ ان برائیوں کی دلدل میں پھنس جاتا ہے جس کی وجہ سے تمام تر قباحتیں سماج میں سرایت کر جاتی ہیں۔ بالآخر معاشرہ انہی برے اصولوں پر استوار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اسلام سے قبل لوگوں میں بعض اچھی صفات موجود ہوتیں مگر زیادہ تر افراد کو حلال و حرام، اچھے برے، نیک و بد کا کوئی شعور نہیں تھا بلکہ برائیوں پر ہی کاربند تھے جیسے قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوا ہے:

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا

یہ بادیہ نشین بد و کفر و نفاق میں انتہائی سخت ہیں ۔[2]

[1] مستدرک الوسائل ج ۱۱ ص ۱۸۷
[2] توبہ ۹۷

اگرچہ آیہ مجیدہ غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی ہے بادیہ نشین اپنی کفر و نفاق کی باتوں میں سخت ہیں لیکن یہاں اعراب سے مراد وہ شہروں اور آبادیوں کے مقابل میں دیہات میں رہنا ناپسند قرار دایا ہوا ایسا نہیں ہے بلکہ اعراب سے مراد وہ تربیت ہے جو اسلام کے مقابل میں ہو۔[1] جیسا کہ امام علی علیہ السلام کے اصحاب نے جب اسلام کے اصولوں اور اقدار کو ترک کیا اور اسلامی تعلیمات کے خلاف عمل بجالانا شروع کیے تو آپؑ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے خطبہ قاصعہ میں ارشاد فرمایا:

واعلموا انكم صرتم بعد الهجرة اعرابا

یہ جانے رہو کہ تم (جہالت و نادانی) کو خیر آباد کہہ دینے کے بعد پھر صحرائی بدو بن گئے ہو۔[2]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں میں شعور اور تربیت کی اہمیت کو اجاگر کیا آپؐ نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اعلیٰ تعلیمات کو معاشرے میں کرادر کے ذریعے رائج فرمایا حتی کہ وہ جاہل لوگ جو کسی کے مال کا لحاظ نہ کرتے، ہمیشہ امانت میں خیانت کرتے اکثر عہدوں کی پاسداری سے پھر جاتے یکسر تبدیل ہوگئے۔ اس معاشرے میں آپ صادق اور امین کے لقب سے یاد رکھا جانے لگا۔ یہ آپ کی عملی سیرت کا اثر ہی تھا لوگوں میں عہد کا پاس، امانتداری کا روج عام ہونے لگا اور ان کی مخالفت کرنے والوں کی زجر و توبیخ کی جاتی۔ یہ وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار اور اصول تھے جن کی فصلوں کی آپؐ نے کردار کے ذریعے معاشرے میں آبیاری کیا یہی وہ اخلاق الٰہی تھے جن کی تعلیم آپؐ نے بارگاہ خداوندی سے حاصل کی تھی۔ جیسا کہ امام علی علیہ السلام اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ لَقَدْ قَرَنَ اللهُ بِه ﷺ مِنْ لَّدُنْ اَنْ كَانَ فَطِيْمًا اَعْظَمَ مَلَكٍ مِّنْ مَّلٰٓئِكَتِه يَسْلُكُ بِه طَرِيْقَ الْمَكَارِمِ، وَ مَحَاسِنَ اَخْلَاقِ الْعَالَمِ، لَيْلَه وَ نَهَارَه

اللہ نے آپؐ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپؐ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انہیں شب و روز

---

[1] تفسیر الامثل فی القرآن ج۱۰ص ۲۹۶

[2] نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۰

بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا۔[1]

عدل وانصاف کا قیام

محمد بن مسلم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے قائم کے بارے میں استفسار کیا۔

جب قائم قیام فرمائیں گے تو آپ کی حکومت کی کیا روش ہو گی؟

امام نے فرمایا: آپؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے مطابق چلیں گے یہاں تک کہ شرق وغرب میں اسلام چھا جائے۔ راوی عرض کرتا مولا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ کار کیا تھا؟

امامؑ نے فرمایا:

ابطل ما كان فی الجاهلية واستقبل الناس بالعدل

آپؐ نے جاہلیت کے رسوم ورواج کو ملیامیٹ کر دیا اور لوگوں میں نظام عدل کا اجراء کیا۔[2]

اسلامی احکام سے قطع نظر بعض چیزوں کی ضرورت واہمیت کی طرف عقل انسانی اور ایک متمدن سماج راہنمائی کرتا ہے، ان میں سے ایک عدل وانصاف ہے۔ عدل وانصاف کے متعلق اگر شریعت کوئی حکم بیان نہ بھی کرے تب بھی معاشرے میں توازن برقرار رکھنے کے لیے یہ ناگزیر ہے۔ انسان کسی بھی خطے یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو اس کی اہمیت کا انکار نہیں کر سکتا مگر مختلف معاشروں میں اگر کہیں ظلم وستم اور ناانصافی نظر بھی آئے تو اس کے پس منظر میں شخصی مفادات اور قومی وملی تعصبات کار فرما ہوتے ہیں۔ ایک ایسا سماج جو جاہلیت میں سر تا پاڈوبا ہوا تھا اس میں عدل وانصاف کا کہیں نام و نشان نہیں تھا جس میں کمزور قبیلوں قصاص لیا جاتا جبکہ بڑے اور طاقتور افراد قصاص کی بجائے دیت ادا کرتے۔ معاشرے میں طبقاتی نظام رائج تھا مستضعفین ومقہورین کے درمیان واضح تفاوت دیکھنے کو ملتا۔ بڑے قبائل کی عورتوں کو حقوق اور مراعات حاصل تھے، وہ پردہ کر سکتی تھیں اور دیگر کاموں میں مردوں کے ساتھ شریک کار نظر آتیں۔ چھوٹے قبیلے کی عورتوں کو اس قسم کے کوئی حقوق

---

[1] نہج البلاغۃ خطبہ ۱۹۰

[2] بحار، ج ۵۲، ص ۳۸۱، ح ۱۹۲

حاصل نہ تھے وہ ہمیشہ مردوں کے حکم کی اسیر رہتی اور ظلم و ستم سہتی رہتیں لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نظام کو یکسر بدل دی آپ نے جہالت کے اس دور میں عدل وانصاف سے فیصلے صادر فرمائے۔

ابن ابی الدنیا بیان کرتا ہے کہ ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تو اور آپؐ اپنے صحابہ سے محو گفتگو تھے اسی اثناء میں ایک صحابی کا فرزند آیا وہ صحابہ کی جماعت کو چیرتا ہوا اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا۔ باپ نے اس کے سر کو چوما اور اپنی دائیں ران پر بٹھا دیا۔ روای کہتا ابھی کچھ دیر گزری تھی کہ اسی صحابی کا ایک اور بیٹا آیا اور وہ بھی پہلے کی طرح صحابہ کی جماعت سے ہوتا ہوا اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا تو اس نے دوسرے بیٹا کا سر چوما اور زمین پر بٹھا دیا جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

فھلا علی فخذک الاخریٰ؟ فحملھا علی فخذک الاخریٰ

تمہاری دوسری ران کہاں گئی ہے؟ تو اس نے اپنے بیٹے کو اٹھا کر اپنی دوسری ران پر بٹھا دیا۔

فقال صلی الله علیه وآله وسلم:الآن عدلت۔

تونے اب عدل کیا ہے۔[1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدل کی اسی روش کی وجہ سے فقط مسلم نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اپنے فیصلوں میں آپ کو حکم اور قاضی تسلیم کرتے اس طرح آپؐ نے معاشرے میں ایک عدالتی نظام کو پھیلایا جس کی مثالوں کو سیرت نگاروں اور مورخین نے نقل کیا ہے۔ اصحاب بدر میں پرچم برداری کا معاملہ ہو، جنگی غنائم کی تقسیم ہو یا دوسرے معاشرتی فیصلے ہوں آپؐ نے ہمیشہ عدل و انصاف پر مبنی فیصلے کیے۔

امن وسلامتی

دین مبین اسلام امن وآشتی اور پیار ومحبت کا درس دیتا ہے کسی بھی قوم وملک کی فلاح وبہبود کے لیے امن عامہ کا قیام ناگزیر ہے۔ کوئی بھی سلطنت امن وامان کے بغیر ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتی

[1] سیرۃ خاتم النبیین ج ۱ ص ۳۹۳

کیونکہ جس معاشرے میں فتنہ وفساد ہوگا اور لوگ ہر وقت اپنی جان ومال کے معاملے میں بے چین و پریشان حال رہتے ہوں گے ان کا زیادہ تر وقت انہی مسائل کے راہ حل تلاش کرنے میں ضائع ہوتا رہے گا کچھ نیا سوچنے اور اپنی تخلیقی وخداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا موقع ہی فراہم نہیں ہوسکے گا۔ یہی مسئلہ اسلام سے قبل لوگوں کا تھا ان کی حالت انتہائی خراب تھی معمولی باتوں پر لڑائی جھگڑے ہوتے، تلواریں باہر آجاتی حتی کہ سالہا سال میدان حرب وضرب گرم رہتا قتل وغارت گری عروج پر ہوتی اپنی جان کی حفاظت کسی مہم جوئی سے کم نہ تھی۔ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیھا نے اس جاہلی معاشرے کی حالت کو خطبہ فدک میں ان الفاظ میں بیان فرمایا:

مذقة الشارب و نهزة الطامع وقبسة العجالن و موطئ الاقدام

تم (اپنے دشمنوں کے مقابلے میں) پینے والے کے لیے گھونٹ بھر پانی، طمع و لالچ والے (استعمار گروں کے لیے) ایک تر نوالہ جلد بجھ جانے والی چنگاری اور قدموں کے نیچے پامال ہونے والی خس و خاشاک تھے (یعنی اس سے زیادہ تمہاری کوئی حیثیت نہ تھی)۔[1]

اسلام سے قبل دو طرح کے لوگوں نے وہاں کا امن وسکون تاراج کیا ہوا تھا ایک وہ لوگ جو دشمن اور متعصب تھے یعنی جن سے ہمیشہ خوف خطرہ رہتا کہ وہ کہیں بھی مل جائیں تو انہیں جانی ومالی نقصان پہنچائے بغیر نہیں رہیں گے لہذا ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہنا پڑتا۔ کبھی بنو خزاعہ وکنانہ بنو جرہم کو مکہ سے نکال رہے ہیں تو کبھی حرب فجار عروج پر ہے اس طرح کی دشمنیاں اور لڑائیاں مشہور تھیں۔[2] دوسرے وہ لوگ تھے جن کا تعلق بڑے قبائل سے تھے آج کی اصطلاح انہیں معاشرے کا بیوروکریٹ طبقہ تصور کیا جاتا تھا جو چھوٹے اور کمزور قبائل کو دبا کر رکھتے۔

مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے امن وعامہ کے مسئلے کو حل کیا اور سالہا سال سے عرب قبائل کے مابین لڑی جانے والی جنگوں کا خاتمہ فرمایا اور حلف الفضول نامی معاہدہ کیا۔ اس کے علاوہ اگر بھی اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مغازی اور سیرت پر طائرانہ نگاہ کی جائے تو

[1] اعلام الھدایہ ج ۳ ص ۱۳۹، ۱۴۰

[2] اسوۃ الرسول ج ۱ ص ۵۸۴

آپ ؐ کی سیرت میں معاہدات کی کوششیں نظر آتی ہیں۔ وہ چاہے صلح حدیبیہ ہو یا یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ معاہدہ جات ہوں ان کے ذریعے آپ ؐ نے معاشرے کی قتل و غارت اور بے سکونی سے آلودہ فضا کو امن سے پر کر دیا۔ اس پہ مستزاد فتح مکہ کی مثال ہے جب مکہ والے مکمل مایوس ہو چکے تھے اور اپنی موت کو قریب سے دیکھ رہے تھے مسلمان آپ کے حکم کے منتظر تھے کہ پھر خونریزی کا وہ بازار گرم ہوتا جس کی نظیر تاریخ کے اوراق میں عبرت کے طور پر رقم ہوتی مگر اس موقع پر بھی ایک تین رکنی ایجنڈا پیش کرکے آپ ؐ نے عام معافی کا اعلان کیا اور وہ عرب جن کی حالت بی بی فاطمہ زہراء سلام اللہ علیھا نے اس طرح بیان فرمائی:

تخافون ان يتخطفكم الناس من حولكم

تمہیں ہمیشہ یہ کھٹکا لگا رہتا کہ کہیں آس پاس کے لوگ تمہیں اچک نہ لیں۔[1]

جو لوگ ایک دوسرے سے اتنے خوفزدہ تھے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اعلیٰ تعلیمات، تربیت اور سیرت کے ذریعے بھائی بھائی بنا دیا۔ ایک دوسرے کو قتل کرنے والے اور جان سے مارنے والے انہیں اپنی جائیدادیں ایک دوسرے کے لیے وقف کرنے لگے اپنی زمینوں میں رہنے اور مکانات بنانے کی اجازت دینے لگے اور امانتوں کے تحفظ کے امین بن گئے۔

عورت کا مقام و مرتبہ

اسلام سے قبل عرب قبائل میں ایک اہم مسئلہ عورت ذات کا تھا۔ اگرچہ بڑے قبائل کی عورتوں کو کچھ حقوق دیے جاتے انہیں پردہ کرنے کی اجازت ہوتی اور انہیں اپنے معاملات میں کسی حد تک آزادی تھی مگر عمومی طور معاشرے میں عورت بدحال تھی۔ اس معاشرے کا سلوک فرعون کے برعکس تھا جو بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیتا۔ یہاں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، بھوک کے خوف سے انہیں قتل کرنا معمولی بات تھی۔ بیوہ کو انتہائی خستہ حال زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا۔ اسے نیا لباس پہننے کی اجازت نہ ہوتی ساری زندگی بوسیدہ اور پھٹے پرانے لباس میں دور کسی کونے میں رہتی تھیں۔ بعض بیواوں کو شوہر کے ساتھ زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، جبکہ ہندو مذہب

[1] دلائل الامامہ ص ۳۷

میں توستی کی رسم مشہور تھی؎۱جس کے مطابق اس بیوہ کو قابل قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا جو خود کو شوہر کے غم میں زندہ جلا دیتی جبکہ اس کے بر خلاف زندہ رہنے والی عورت کو انسانی معیارات سے گرا ہوا اور معاشرے کی نا اہل اور منحوس عورت تصور کیا جاتا اور گونا گوں محرومیوں کا سامنا کرنا پڑتا، غرض ہر طرح کے ظلم و جور کو عورت کے لیے روا رکھا جاتا تھا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۙ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ

اور جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا، کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی؟[2]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاشرے میں میں عورت کو عزت افزائی کی انہیں نہ فقط بیٹوں کے مساوی درجہ دیا بلکہ بیٹی کو بہترین اولاد قرار دیا۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی الله علیه وآله وسلم نِعْمَ الْوَلَدُ الْبَنَاتُ

بہترین اولاد بیٹیاں ہیں۔[3]

اس سماج میں آپؐ نے عورت کو عزت و وقعت دی ان کے لیے باقاعدہ حقوق و فرائض کی عملی تعلیم دی جن لوگوں کو بیٹی کی پیدائش کا مژدہ سنایا جاتا تو ان کے چہرے غم و غصے سے سیاہ ہو جاتا تھا ان کے سامنے بیٹی کی تعظیم کی اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ ان کا بوسہ لیتے کھڑے ہو کر استقبال کرتے اور محفل میں اسے اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ خاتون کی زندگی کے چار اہم ادوار بیٹی، بہن، بیوی اور ماں ہر ایک دور میں اس کی عظمت اور اہمیت کو اجاگر کیا۔ بحیثیت بیٹی اسے باعث رحمت و شرف، بطور بہن پیار و محبت اور غمگسار، بیوی ہونے کے ناطے بہترین ساتھی اور ہمنشین قرار دیا۔ اس پہ مستزاد یہ کہ بحیثیت ماں اسے عطوفت و رحمت ہونے ساتھ والدہ کی خدمت میں جنت کو واجب قرار دیا۔ آپؐ کی حیات طیبہ میں اس طرح کے نمونے بہت زیادہ ہیں جیسے آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے سال کو غم کا سال قرار دیا حضرت فاطمہؓ بنت اسد کو اپنی عبا کا کفن دیا اور عزت و تکریم سے ان کی تدفین کی۔

[1] ضیاء النبی ج ا ص ۱۸۸
[2] التکویر ۰۹، ۰۸
[3] الکافی، جلد ۶، صفحہ ۵

یوں اسلامی معاشرے کی شروعات ہوئیں اور عورت نے اپنا کھویا ہوا وقار پایا۔ اسے وراثت میں حصہ دار بنایا گیا عورتیں کو اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کا حق دیا۔ ان کے ساتھ عدل وانصاف کو یقینی بنایا گی انہیں فکری آزادی دی گئی اور بری نگاہوں سے بچانے کے لیے پردے کا بندوبست کیا گیا۔ یہ عزت و تکریم اسلامی معاشرے کی مرہون منت تھی۔ حتی کہ عورت اور مرد کے عمل کو برابر قرار دیا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً

جو نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی ضرور عطا کریں گے۔[1]

اقتصادی توازن

سماج میں اقتصاد کی اہمیت ریڑھ کی ہڈی کی ہوتی ہے۔ کوئی بھی ملک وسلطنت معاشی حوالے سے سے جس قدر مضبوط ہوگی اس کے لوگ اتنے زیادہ خوشحال ہوں گے۔ مگر بدقسمتی دو طرح کے کے طبقات نے دور حاضر کی طرح اسلام سے قبل بھی معاشی نظام میں بگاڑ پیدا کیا ہوا تھا۔

پہلی قسم کا وہ گروہ تھا جو لوگوں کا قانونی طریقے سے معاشی استحصال کرتا غریب لوگوں کو بھاری اقساط پر سودی قرضے دیے جاتے پھر ان پر دوگنا سود وصول کیا جاتا۔ یوں وہ اس بدترین معاشی نظام کی دلدل میں پھنس جاتا جیسا کہ قرآن کریم میں بھی اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما البیع مثل الربوٰ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا

وہ کہتے ہیں: تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔[2]

آیہ مجیدہ میں کفار کے قول کی جو حکایت کی گئی ہے اس سے واضح اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سود کو کس قدر بہترین ذریعہ معاش تصور کرتے تھے کہ جب انھیں سود سے منع کیا گیا تو جواب میں کہا تجارت بھی تو سود کی طرح ہے۔ اس طرح نہیں کہا گیا سود تجارت کی مانند ہے کہ چونکہ تجارت میں اصل مقصد نفع کا حصول ہے پس ہمیں وہ سود میں بھی حاصل ہو جاتا ہے بلکہ اس کے برعکس جواب دیا کہ تجارت بھی

[1] النحل ۹۷

[2] البقرہ ۲۷۵

سود کی مانند ہے یعنی جیسے سود میں منفعت ہوتی ہے اس طرح تجارت میں منفعت ہوتی ہے پس اگر سود جائز نہ ہو تو تجارت کو بھی جائز نہیں ہونا چاہے۔

دوسرا گروہ وہ تھا جو لوگوں کو دھوکہ دیتے، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی کر کے لوگوں کے اموال میں کمی بیشی کرتے اور زمین میں فساد کا ارتکاب کرتے ان کے بارے میں بھی قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ

اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔[1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود اور دھوکے کے مقابلے میں انفاق، صدقہ، ایثار، تجارت اور قرض حسنہ، سخاوت اور فیاضی کو فروغ دیا۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؑ کا مال مضاربہ پر لے کر تجارت کی اور حلال طریقے سے خوب نفع کمایا۔ جس سے حضرت خدیجہؑ کا غلام میسرہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس نے واپسی پہ اپنی مالکن کو آپؐ کی فیوض و برکات سے آگاہ کیا اسی طرح آپؐ مدینہ کے فقراء و مساکین پر ایثار کرتے۔ اصحاب صفہ کی ضروریات زندگی کا بندوبست کیا، جنگی غنائم سے باقاعدہ بیواوں اور یتیموں کو عنایت فرماتے۔ مہاجرین کے مدینہ میں گھر تعمیر کروائے، ان کی رہائش کا بندوبست کیا انہیں کھانے کے لیے خوراک اور پہننے کے لیے لباس مہیا کیا۔ کمانے کے لیے زمینیں فراہم کی گئیں تاکہ ان میں کاشت کاری کر کے اپنا خرچ نکال سکیں حتیٰ کہ معاشرے کی حالت اس قدر بہتر ہو گئی کہ اب نہ فقط قریش کی طرف سے معاشی پابندیوں کی صورت میں دباؤ سے بچ جاتے بلکہ بلکل سکون و اطمئنان سے اپنی ضروریات کو پورا کرتے حتیٰ کہ آپ نے سود جیسی لعنت کا خاتمہ کرتے ہوئے فرمایا:

الا كل ربا من ربا الجاهلیةموضوع و اول رباا ضعه ربا العباسؓ ابن عبد المطلب

آگاہ رہو کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے تمام سودی مطالبات چھوڑ دیے جائیں اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلبؓ کے سودی مطالبات ترک کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔[2]

---

[1] الشعراء ۱۸۲، ۱۸۳

[2] تفسیر نمونہ ج ۲، ص ۲۱۶

جاہلی رسومات کا خاتمہ

رسوم و رواج لوگوں کے رہن سہن، بود و باش اور طرز زندگی کا پتا دیتے ہیں انہی سے تہذیب و تمدن کا علم ہوتا ہے۔ معاشرے میں بہتری اور خرابی کا انحصار بھی انہی پر ہوتا ہے۔ دور جاہلیت میں میں جہاں عربوں میں اچھی رسمیں رائج تھیں جیسے مہمان نوازی، شجاعت و دلیری اور سخاوت و فیاضی، اس کے ساتھ بری رسمیں اس قدر زیادہ تھیں کہ جنہوں نے معاشرے کی حالت دگرگوں کر دی تھی۔ عوام کا جینا دوبھر ہو گیا تھا ان رواجوں کی بنیادیں مختلف تعصبات پر مبنی اور غیر منطقی افکار تھے۔

جیسے عرب میں ایک حمس کی رسم مشہور تھی اس کے مطابق مکہ سے باہر کا رہائشی شخص جب مکہ میں خانہ خدا کا طواف وغیرہ اور مراسم عبادت بجالانا چاہتا تو اس کے لیے لازم تھا کہ اپنا لایا ہوا لباس اتار دے اور قریش سے لباس وغیرہ خریدے اور اس کے ساتھ اعمال و عبادات بجالائے اور اگر کوئی اپنے لباس میں یہ کام کرنا چاہتا تو اسے دوبارہ پہننے کی اجازت نہ ہوتی اسے حمس کہا جاتا تھا۔[1]

ایسی جاہلیت بھری رسم قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے:

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ

اللہ نے نہ کوئی بحیرہ بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔[2]

آیہ مجیدہ میں عرب جاہلیت کی بعض بدعات اور ان کے خود ساختہ احکام کی بات ہو رہی ہے کہ وہ بعض جانوروں کو نشان لگا کر چھوڑتے تھے، پھر ان سے خدمات لینا اور سوار ہونا وغیرہ حرام سمجھتے تھے اور ان جانوروں کے مختلف نام سائبہ، بحیرہ وغیرہ رکھتے تھے۔ پھر ان کا گوشت، دودھ، سواری اور ان سے فائدہ حرام قرار دیتے۔

مگر پیغمبر اکرم ﷺ نے وہ تمام رسوم و رواج جن کی بنیاد سراسر جاہلیت پر استوار تھی ان کا قلع قمع کر دیا آپؐ نے احکام الٰہی کی تعلیم دی خدا کی حلال کردہ چیزوں کو حلال کیا اور خداوند عالم پر افتراء پردازی کی حوصلہ شکنی کی۔ کبھی بتوں کے سامنے گردن نہیں جھکائی نہ رسم حمس و سائبہ کا کو باقی رکھا بلکہ جب اصلاحات کرنا شروع کیں کعبے کے عریاں حالت میں طواف کرنے سے منع فرمایا، رشتہ

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۳۴

[2] مائدہ ۱۰۳

داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا اجرا کیا کفار و مشرکین اپنے مفاد کی خاطر حرمت والے مہینوں میں جنگ کرتے اور اس کو کوئی اور مہینہ فرض کرتے آپؐ نے حرمت والے مہینوں کے احترام اور ان میں جنگ بندی نافذ کی، غریبوں اور کمزور لوگوں کا استحصال کرنے سے روکا، غلاموں اور کنیزوں کی خرید و فروخت کو بدترین تجارت قرار دیا۔

نتیجہ:

پیغمبر اکرم ﷺ کی ذات گرامی نے جن کی تربیت کا اہتمام خود خداوند عالم نے کیا آپؐ تمام تر الٰہی اخلاق سے آراستہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جن اخلاقی اصولوں اور اقدار کی تربیت لے کر آئے تھے انہیں معاشرے میں لاگو کرنا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مکمل سماج کا ماحول بدل گیا بدترین حالت میں ڈوبا تاریک معاشرہ روشن منزل کی جانب گامزن ہوا۔ جہالتوں کے دھند لکے چھٹے علم و آگہی کا نور آیا۔ آپؐ کے دور حکومت میں ریاست مدینہ ایسا نمونہ پیش کرنے لگی جو آج تک ایک مثالی اسلامی معاشرے کے طور پر متعارف ہے۔

مصادر و منابع

القرآن الکریم

١. رضی، علامہ السید محمد، نہج البلاغہ، مترجم مفتی جعفر حسین مرکز افکار اسلامی راولپنڈی

٢. ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، دار احیاء التراث العربی، طبع ثانی بیروت

٣. ابن کثیر، عماد الدین، السیرۃ النبویۃ، دار الکتاب العربی طبع ثانی بیروت لبنان

٤. شیرازی، ناصر مکارم، الامثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل، موسسہ الاعلمی للمطبوعات

٥. طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، دلائل الامامہ موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، طبع ثانی، بیروت

٦. کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی، دار الاضواء للطباعۃ والنشر، طبع اولیٰ بیروت

٧. مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار الجامعۃ لدرر الائمۃ الاطہار، دار احیاء التراث العربی، طبع ثالث بیروت

٨. محدث نوری، میرزا حسین، متدرک الوسائل و مستنبط المسائل، موسسہ آل البیت لاحیاء التراث طبع ثالث، بیروت

٩. ری شہری، علامہ محمد، سیرۃ خاتم النبیینؐ، دار الحدیث للطباعۃ والنشر طبع اولیٰ، بیروت

۱۰. شیرازی، ناصر مکارم، تفسیر نمونہ، مترجم علامہ صفدر حسین، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

۱۱. لجنۃ التالیف، اعلام الھدایۃ، مرکز طاعۃ والنشر مجمع العالمی لاھل البیتؑ، طبع ثانی، قم

۱۲. بلگرامی، سید اولاد حیدر، اسوۃ الرسول، مصباح القرآن ٹرسٹ، طبع اول لاہور

۱۳. ازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن ٹرسٹ لاہور

۱۴. اصفہانی، علامہ راغب، دار القلم، طبع اولی، بیروت

۱۵. ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم علی، لسان العرب، دار صادر، طبع سابع، بیروت